

# تفہیم القرآن

## ابولہب

نام | پہلی آیت کے لفظ لہب کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کے تکی ہونے میں تو مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن ٹھیک ٹھیک یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ تکی دور کے کس زمانے میں یہ نازل ہوئی تھی۔ البتہ ابولہب کا جو کوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت حق کے خلاف تھا اس کو دیکھتے ہوتے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سورہ کا نزول اس زمانے میں ہوا ہوگا جب وہ حضور کی عداوت میں حد سے گزر گیا تھا اور اس کا رویہ اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن رہا تھا۔ بعید نہیں کہ اس کا نزول اس زمانے میں ہوا ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان والوں کا مقاطعہ کر کے قریش کے لوگوں نے اُن کو شغب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور تنہا ابولہب ہی ایسا شخص تھا جس نے اپنے خاندان والوں کو چھوڑ کر دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ ہمارے اس قیاس کی بنیاد یہ ہے کہ ابولہب حضور کا چچا تھا، اور بھتیجے کی زبان سے چچا کی کھلم کھلا مذمت کرانا اس وقت تک مناسب نہ ہو سکتا تھا جب تک چچا کی حد سے گزری ہوئی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے نہ آگئی ہوں۔ اس سے پہلے اگر ابتدا ہی میں یہ سورہ نازل کر دی گئی ہوتی تو لوگ اس کو اخلاقی حیثیت سے معیوب سمجھتے کہ بھتیجا اپنے چچا کی اس طرح مذمت کرے۔

پس منظر | قرآن مجید میں یہ ایک ہی مقام ہے جہاں دشمنان اسلام میں سے کسی شخص کا نام لے کر اُس کی مذمت کی گئی ہے، حالانکہ کئے میں بھی، اور ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ابولہب سے کسی طرح کم نہ تھے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر اس کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی؟ اس بات کو

سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُس وقت کے عربی معاشرے کو سمجھا جائے، اور اُس میں ابو لہب کے کردار کو دیکھا جائے۔

قدیم زمانے میں چونکہ پورے ملک عرب میں ہر طرف بد امنی، غارت گری اور طواغف الملک کی پھیلی ہوئی تھی، اور صدیوں سے حالت یہ تھی کہ کسی شخص کے لیے اُس کے اپنے خاندان اور خونی رشتہ داروں کی حمایت کے سوا جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی، اس لیے عربی معاشرے کی اخلاقی قدروں میں صلہ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک) کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور قطع رحمی کو بہت بُرا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ عرب کی انہی روایات کا یہ اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی دعوت لے کر اُٹھے تو قریش کے دوسرے خاندانوں اور ان کے سرداروں نے تو حضور کی شدید مخالفت کی، مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب و ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد نے نہ صرف یہ کہ آپ کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ کھلم کھلا آپ کی حمایت کرتے رہے، حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ قریش کے دوسرے خاندان خود بھی حضور کے ان خونی رشتہ داروں کی حمایت کو عرب کی اخلاقی روایات کے عین مطابق سمجھتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے کبھی بنی ہاشم اور بنی المطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا کہ تم ایک دوسرا دین پیش کرنے والے شخص کی حمایت کر کے اپنے دینِ آبائی سے منحرف ہو گئے ہو۔ وہ اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ اپنے خاندان کے ایک فرد کو وہ کسی حالت میں اُس کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتے، اور ان کا اپنے عزیز کی پشتیبانی کرنا قریش اور اہل عرب، سب کے نزدیک بالکل ایک فطری امر تھا۔

اس اخلاقی اصول کو، جسے زمانہ جاہلیت میں بھی عرب کے لوگ واجب الاحرام سمجھتے تھے صرف ایک شخص نے اسلام کی دشمنی میں توڑ ڈالا، اور وہ تھا ابو لہب بن عبد المطلب۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ حضور کے والد ماجد اور یہ ایک ہی باپ کے بیٹے تھے۔ عرب میں چچا کو باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا، خصوصاً جبکہ جیتیم کا باپ مرجحاً بہنوئی تو قریبی کی جاتی تھی کہ چچا جیتیم کو اپنی اولاد کی طرح عزیز دیکھے گا۔ لیکن اس شخص نے اسلام کی دشمنی اور کفر کی محبت میں ان تمام عربی روایات کو پا مال کر دیا۔

ابن عباسؓ سے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت محدثین نے نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ عام پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور قرآن مجید میں یہ ہدایت نازل ہوئی

ہوئی کہ آپ اپنے قریب ترین عزیزوں کو سب سے پہلے خدا کے عذاب سے ڈرائیں تو آپ نے صبح سویرے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا یا صبا حاء (ہائے صبح کی آفت، عرب میں یہ صدا وہ شخص لگاتا تھا جو صبح کے جھٹ پٹے میں کسی دشمن کو اپنے قبیلے پر حملہ کرنے کے لئے آتے دیکھ لیتا تھا۔ حضورؐ کی یہ آواز سن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون پکار رہا ہے۔ بتایا گیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے۔ اس پر قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے جو خود آسکتا تھا وہ خود آیا، اور جو نہ آسکتا تھا اُس نے اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے قریش کے ایک ایک خاندان کا نام لے لے کر پکارا، اُسے بنی ہاشم، اُسے بنی عبد المطلب، اُسے بنی فہر، اُسے بنی ظلال، اُسے بنی ظلال، اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ہمارے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو تم میری بات سچ مانو گے؟ لوگوں نے کہا ہاں، ہمیں کبھی تم سے جھوٹ سننے کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آ رہا ہے۔ اس پر قبل اس کے کہ کوئی اور بولتا حضورؐ کے اپنے چچا ابوہب نے کہا تَبَا لِهَذَا أَجْمَعَتَا؟ ”ستیامس جلتے تیرا کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا ٹھکانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھینچ مارے (مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی ابن جریر وغیرہ)۔

ابن زید کی روایت ہے کہ ابوہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روز پوچھا اگر میں تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو اور سب ایمان لانے والوں کو ملے گا۔ اس نے کہا میرے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اور آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس پر وہ بولا تَبَا لِهَذَا الدین نَبَا اَنْ اكون وَاھو لاء سَوَاءٌ۔ ”ناس جاتے اس دین کا جس میں میں اور یہ دوسرے لوگ برابر ہوں“ (ابن جریر)۔

مکہ میں ابوہب حضورؐ کا قریب ترین ہمسایہ تھا۔ دونوں کے گھر ایک دیوار بیچ واقع تھے۔ اُس کے علاوہ حکم بن عاص (مروان کا باپ)، عقیبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء اور ابن الاصداء الہذلی بھی آپ کے ہمسائے تھے یہ لوگ گھر میں بھی حضورؐ کو چین نہیں لینے دیتے تھے۔ آپ کبھی نماز پڑھ رہے ہوتے تو یہ اوپر سے بکری کا اوجھ آپ پر پھینک دیتے کبھی صحن میں کھانا پک رہا ہوتا

تو یہ مہڈیا پر غلاط پھینک دیتے۔ حضورؐ باہر نکل کر ان لوگوں سے فرماتے "اے بنی عبدمناف، یہ کیسی ہمسایگی ہے؟"۔ ابولہب کی بیوی اُم جمیل (ابوسفیان کی بہن) نے تو یہ مستقل و تیرہ ہی اختیار کر رکھا تھا کہ راتوں کو آپؐ کے گھر کے دروازے پر خاردار جھاڑیاں لاکر ڈال دیتی، تاکہ صبح سویرے جب آپؐ یا آپ کے بچے باہر نکلیں تو کوئی کاٹا پاؤں میں چبھ جائے۔ ابی ہاشم، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن عساکر، ابن ہشام۔

نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ابولہب کے دو بیٹوں عقیبہ اور عقیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ نبوت کے بعد جب حضورؐ نے اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی تو اس شخص نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو چنانچہ دونوں نے طلاق دے دی۔ اور عقیبہ تو جہالت میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ ایک روز حضورؐ کے سامنے آکر اُس نے کہا کہ میں التَّحِیْمِ اِذَا هَوٰی اور الَّذِی دَنَا قَدَّی کا انکار کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اُس نے حضورؐ کی طرف تھوکا جو آپؐ پر نہیں پڑا۔ حضورؐ نے فرمایا خدایا، اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کر دے۔ اس کے بعد عقیبہ اپنے باپ کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوران سفر میں ایک ایسی جگہ قافلے نے پڑاؤ کیا جہاں مقامی لوگوں نے بتایا کہ راتوں کو درندے آتے ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھی اہل قریش سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کا کچھ انتظام کرو، کیونکہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا خوف ہے۔ اس پر قافلے والوں نے عقیبہ کے گرد ہر طرف اپنے اونٹ بٹھا دیئے اور پڑ کر سو رہے۔ رات کو ایک شیر آیا اور اونٹوں کے حلقے میں گزر کر اُس نے عقیبہ کو بھاڑ کھلایا۔ (الاستیعاب لابن عبد البر، الاصابہ لابن حجر، دلائل النبوة للبیہقی، الاصحاح فی روض الانف للشمسلی۔ روایات میں یہ اختلاف ہے کہ بعض راوی طلاق کے معاملے کو اعلان نبوت کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نبوتِ بدی ابی لہب کے نزول کے بعد پیش آیا تھا۔ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ یہ ابولہب کا بیٹا تھا یا عقیبہ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد عقیبہ نے اسلام قبول کر کے حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ یہ بڑا عقیبہ تھا۔ اُس کے خبیث نفس کا یہ حال تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسم کے بعد دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بھی انتقال ہو گیا تو یہ اپنے بھتیجے کے غم میں

شریک ہونے کے بجائے خوشی خوشی دوڑا ہوا قریش کے سرداروں کے پاس پہنچا اور ان کو خبر دی کہ لو آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے نام و نشان ہو گئے۔ اس کی اس حرکت کا ذکر ہم سورہ کوثر کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے جاتے یہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روکتا۔ ربیعہ بن عبد اللہ بن ابی بنی کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ تھا جب اپنے باپ کے ساتھ ذوالحجاز کے بازار میں گیا۔ وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کہہ رہے تھے ”لوگو، کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، فلاح پاؤ گے“ اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص کہتا جا رہا تھا کہ ”یہ جھوٹا ہے، دین آبائی سے پھر گیا ہے“ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ان کا چچا ابو لہب ہے (مسند احمد بیہقی)۔ دوسری روایت اپنی حضرت ربیعہ سے یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں ”اے بنی فلان، میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تم میری تصدیق کرو اور میرا ساتھ دو۔ تاکہ میں وہ کام پورا کر دوں جس کے لیے اللہ نے مجھے بھیجا ہے“ آپ کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ”اے بنی فلان، یہ تم کو لات اور غزنی سے پھیر کر اس بدعت اور گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جسے یہ لے کر آیا ہے۔ اس کی بات ہرگز نہ مانو اور اس کی پیروی نہ کرو“ میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا یہ ان کا چچا ابو لہب ہے (مسند احمد طبرانی، طارق بن عبد اللہ الثمار کی روایت بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ذوالحجاز کے بازار میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہتے جاتے ہیں کہ ”لوگو، لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے“ اور پیچھے ایک شخص ہے جو آپ کو پتھر مار رہا ہے، یہاں تک کہ آپ کی اڑیاں خون سے تر ہو گئی ہیں، اور وہ کہتا جاتا ہے کہ ”یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانو“ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ان کا چچا ابو لہب ہے۔ (ترمذی)۔

نبوت کے ساتویں سال جب قریش کے تمام خاندانوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کا معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کیا اور یہ دونوں خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ثابت قدم رہے

ہوتے شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو تنہا ہی ابو لہب تھا جس نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کے بجائے کفار قریش کا ساتھ دیا۔ یہ مقاطعتین سال تک جاری رہا اور اس دوران میں بنی ہاشم اور بنی المطلب پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ مگر ابو لہب کا حال یہ تھا کہ جب تکہ میں کوئی تجارتی قافلہ آتا اور شعب ابی طالب کے محصورین میں سے کوئی خوراک کا سامان خریدنے کے لیے اس کے پاس جاتا تو یہ تاجروں سے پکار کر کہتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں، تمہیں جو خسارہ بھی ہو گا اُسے میں پورا کروں گا۔ چنانچہ وہ بے تحاشا قیمت طلب کرتے اور خریدار بیچارہ اپنے بھوک سے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا پھر ابو لہب اپنی تاجروں سے وہی چیزیں بازار کے بھاؤ خرید لیتا (ابن سعد و ابن ہشام)۔

یہ اس شخص کی حرکات تھیں جن کی بنا پر اس سورہ میں نام لے کر اس کی مذمت کی گئی۔ خاص طور پر اس کی ضرورت اس لیے تھی کہ مکہ سے باہر کے اہل عرب جو حج کے لیے آتے، یا مختلف مقامات پر گھنے والے بازاروں میں جمع ہوتے، اُن کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا چچا آپ کے پیچھے لگے آپ کی مخالفت کرتا، تو وہ عرب کی معروف روایات کے لحاظ سے یہ بات خلاف توقع سمجھتے تھے کہ کوئی چچا بلا وجہ دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجے کو بُرا بھلا کہے اور اُسے پتھر مارے اور اس پر الزام تراشیاں کرے۔ اس وجہ سے وہ ابو لہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔ مگر جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور ابو لہب نے غصے میں بھر کر اَوَّلَ قَوْلٍ بکنا شروع کر دیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ اپنے بھتیجے کی دشمنی میں دیوانہ ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ نام لے کر جب آپ کے چچا کی مذمت کی گئی تو لوگوں کی یہ توقع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے معاملہ میں کسی کا لحاظ کر کے کوئی عداوت برت سکتے ہیں۔ جب علی الاعلان رسول کے اپنے چچا کی خبر لے ڈالی گئی تو لوگ سمجھ گئے کہ یہاں کسی لاگ پیٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ غیر اپنا ہو سکتا ہے اگر ایمان لے آئے، اور اپنا غیر ہو جاتا ہے اگر کفر کرے اس معاملہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے  
 ٹوٹ گئے ابو لہب کے ہاتھ اور زنا مراد ہو گیا وہ لے اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کہا یادہ اُس کے  
 کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اُس کے ساتھ) اُس کی جوڑو بھی، مگانی  
 بجھائی کرنے والی، اُس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

لے اس شخص کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اور اسے ابو لہب اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ بہت چمکتا ہوا سُرخ  
 و سفید تھا۔ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور ابو لہب کے معنی ہیں شعلہ رو۔ یہاں اُس کا ذکر اُس کے نام کے بجائے اُس کی  
 کنیت سے کرنے کے کئی وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ زیادہ تر اپنے نام سے نہیں بلکہ اپنی کنیت ہی سے معروف تھا۔  
 دوسرے یہ کہ اس کا نام عبدالعزیٰ (زندہ عزیٰ)، ایک مشرکانہ نام تھا اور قرآن میں یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اُسے اس  
 نام سے یاد کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اُس کا جو انجام اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے اُس کے ساتھ اُس کی یہ کنیت  
 ہی زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

تَبَّتْ يَدَايِیْ لَہْبَ کے معنی بعض مفسرین نے "ٹوٹ جائیں ابو لہب کے ہاتھ" بیان کیے ہیں اور وَتَبَّتْ کا  
 مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "وہ ہلاک ہو جائے" یا "وہ ہلاک ہو گیا" لیکن درحقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اُس کو  
 دیا گیا ہو، بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے، گویا  
 اُس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکا۔ اور فی الواقع آخر کار وہی کچھ ہوا جو اس سورہ میں چند سال پہلے بیان  
 کیا جا چکا تھا۔ ہاتھ ٹوٹنے سے مراد ظاہر ہے کہ جسمانی ہاتھ ٹوٹنا نہیں ہے، بلکہ کسی شخص کا اپنے اُس مقصد میں قطعی کام  
 ہو جانا جس کے لیے اُس اپنا پورا زور لگا دیا ہو اور اب اپنے واقعی حضور کو رک دینے میں اپنا پورا زور لگا دیا تھا لیکن اس سوز کے نزول پر اس کا  
 گزرنے نہ تھے کہ جنگ بدر میں قریش کے اکثر مشیر وہ بڑے بڑے سردار مارے گئے جو اسلام کی دشمنی میں ابو لہب  
 کے ساتھی تھے۔ مکہ میں جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اُس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔  
 پھر اس کی موت بھی نہایت عبرتناک تھی۔ اُسے عذہ نامی بیماری ہو گئی جو طاعون سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اُس کے  
 گھر والوں نے اُسے چھوڑ دیا، کیونکہ انہیں چھوت لگنے کا ڈر تھا۔ مرنے کے بعد بھی تین دن تک کوئی اس کے پاس نہ آیا  
 یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور اس کی قبر پھیلنے لگی۔ آخر کار جب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دینے شروع کیے  
 تو ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے کچھ حبشیوں کو اجرت دے کر اس کی لاش اٹھوائی اور انہی مردوروں نے

اس کو دفن کیا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھدوایا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس میں پھینکا اور اوپر سے مٹی پتھر ڈال کر اُسے ڈھانک دیا۔ اُس کی مزید اور مکمل شکست اس طرح ہوئی کہ جس بن کی راہ روکنے کے لیے اُس نے اُٹری چوٹی کا زور لگا دیا تھا، اُسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا۔ سب سے پہلے اس کی بیٹی ذرہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینے پہنچی اور اسلام لائیں۔ پھر قح مکہ کے موقع پر اُس کے دونوں بیٹے عُتْبہ اور مُعْتَبِہ حضرت عباس کی وساطت سے حضور کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر انہوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

۳۔ ابولہب سخت بخیل اور زرپرست آدمی تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اُس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانے میں سے سونے کے دوہرن چُرا لیے ہیں۔ اگرچہ بعد میں وہ ہرن ایک اور شخص کے پاس سے برآمد ہوئے، لیکن بجائے خود یہ بات کہ اس پر یہ الزام لگایا گیا، یہ ظاہر کرتی ہے کہ مکہ کے لوگ اُس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ اُس کی مالداری کے متعلق قاضی رشید بن زبیر اپنی کتاب الذَّخَائِرُ مَوْعَا لَتَحْف میں لکھتے ہیں کہ وہ قریش کے اُن چار آدمیوں میں سے ایک تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے (قنطار دو سو اوقیہ کا اور ایک اوقیہ سو اٹھ نو لہ کا ہوتا ہے)۔ اُس کی زرپرستی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جبکہ اُس کے مذہب کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا، قریش کے تمام سردار لڑنے کے لیے گئے، مگر اُس نے عاص بن ہشام کو اپنی طرف سے لڑنے کے لیے بھیج دیا اور کہا کہ یہ اُس چار ہزار درہم قرض کا بدل ہے جو میرا تم پر آتا ہے۔ اس طرح اُس نے اپنا قرض وصول کرنے کا بھی ایک ترکیب نکال لی، کیونکہ عاص دیوالیہ ہو چکا تھا اور اُس سے رنم ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔

مَا كَسَبَ كُوبَعَةُ مَفْتَرٍ نَزَلَ كَأَنِّي كُنتَ فِي مَالٍ مِّنْهُ، یعنی اپنے مال سے جو منافع اُس نے حاصل کیے وہ اُس کا کسب تھے۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد اولاد لی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آدمی کا بیٹا بھی اُس کا کسب ہے (ابوداؤد۔ ابن ابی حاتم)۔ یہ دونوں معنی ابولہب کے انجام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ عدسہ کے مرض میں مبتلا ہوا تو اس کا مال بھی اس کے کسی کام نہ آیا اور اس کی اولاد نے بھی اسے بے کسی کی موت مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اُس کا جنازہ تک عزت کے ساتھ اٹھانے کی اس اولاد کو توفیق نہ ہوئی۔ اس طرح چند ہی سال کے اندر لوگوں نے اُس پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھ لیا جو ابولہب کے متعلق اس سورہ میں کی گئی تھی۔ ۴۔ اس عورت کا نام ازدی تھا اور اُمّ جلیل اس کی کنیت تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور رسول اللہ صلی اللہ



عسلیہ وسلم کے ساتھ عداوت میں اپنے شوہر ابو لہب سے کسی طرح کم نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جلیل نے اس کو سنا تو وہ بھری ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اُس کے ہاتھ میں مٹی بھر تھرتھے اور وہ حضورؐ کی سچو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی۔ حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضورؐ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، یہ آ رہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر یہ کوئی بیہودگی کرے گی۔ حضورؐ نے فرمایا یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے موجود ہونے کے باوجود وہ آپ کو نہیں دیکھ سکی اور اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری سچو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، اس گھر کے رب کی قسم انہوں نے تو تمہاری کوئی سچو نہیں کی۔ اس پر وہ واپس چلی گئی (ابن ابی حاتم میرقہ ابن ہشام۔ بتا رہے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی اسی سے ملنا جلتا واقعہ نقل کیا ہے)۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ جو تو اللہ تعالیٰ نے کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔

۱۔ اصل الفاظ میں حَمَلَةُ الْحَطَبِ جن کا لفظی ترجمہ ہے ”مکڑیاں ڈھونے والی“۔ مفسرین نے اس کے متعدد معنی بیان کیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زید، تنخاک اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ وہ راتوں کو خاردار درختوں کی ٹہنیاں لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، اس لیے اس کو مکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے۔ قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاہد اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں فساد ڈولانے کے لیے چٹیاں کھاتی پھرتی تھی۔ اس لیے اسے عربی محاورے کے مطابق مکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا، کیونکہ عرب ایسے شخص کو جو ادھر کی بات ادھر لگا کر فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا ہو، مکڑیاں ڈھونے والا کہتے ہیں۔ اس محاورے کے لحاظ سے حَمَلَةُ الْحَطَبِ کے معنی ٹھیک ٹھیک وہی ہیں جو اردو میں ”بی جالو“ کے معنی ہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جو شخص گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لا دیا ہو اُس کے متعلق عربی زبان میں بطور محاورہ کہا جاتا ہے فَلَانٌ يَحْتَلِبُ عَلَى ظَهْرِهِ (فلان شخص اپنی پٹھ پر مکڑیاں لا رہا ہے)۔ پس حَمَلَةُ الْحَطَبِ کے معنی ہیں گناہوں کا بوجھ ڈھونے والی۔ ایک اور مطلب مفسرین نے اس کا یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ آخرت میں اُس کا حال ہوگا، یعنی وہ مکڑیاں ڈالنا کہ اُس آگ میں ڈالے گی جس میں ابو لہب جل رہا ہوگا۔

۲۔ اُس کی گردن کے لیے جید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں ایسی گردن کے لیے بولا جاتا ہے جس میں زیور پہنا گیا ہو۔ سعید بن المسیب، حسن بصری اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ایک بہت قیمتی بارگردن میں پہنتی تھی، اور کہا کرتی تھی کہ لات اور غزنی کی قسم میں اپنا یہ ہار بیچ کر اس کی قیمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کر دوں گی۔

اسی بنا پر جید کا لفظ یہاں بطور طنز استعمال کیا گیا ہے کہ اس مرتبہ گلے میں جس کے بار پر وہ فخر کرتی ہے، دوزخ میں رستی پڑی ہوگی۔ یہ اسی طرح کا طنز یہ اندازِ کلام ہے جیسے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے بَشْرُھُمْ یَعَذَابُ اَلِیْمٌ، اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

جو رستی اس کی گردن میں ڈالی جائے گی اس کے لیے حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کے الفاظ استعمال کیے ہیں، یعنی وہ رستی مَسَد کی قسم سے ہوگی۔ اس کے مختلف معنی اہل لغت اور محققین نے بیان کیے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ خوب مضبوط بٹی ہوئی رسی کو مَسَد کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کھجور کی چھال سے بنی ہوئی رستی کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ اس کے معنی ہیں، مونجھ کی رستی یا اونٹ کی کھال یا اس کے صوف سے بنی ہوئی رستی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹی ہوئی رستی ہے۔